اسلامی تحقیق کا مفہوم' مُدّعا اور طریق کار

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

تحریر: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

اسلامی تحقیق کے معنی

اِس وقت ملک میں اسلامی تحقیق کے کئی ادارے کام کر رہے ہیں' جن میں بعض حکومت کی سرپرستی میں ہیں اور بعض پرائیویٹ۔ لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک ہمارے ملک میں اسلامی تحقیق کا مفہوم واضح نہیں۔ اسلام' جیسا کہ اسے حضور سرور کائنات ﷺ ہمارے پاس لائے ہیں' ان مقدس تعلیمات کا نام ہے جو قرآن اور حدیث میں موجود ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اسلامی تحقیق کی تعریف اس طرح سے کرنی چاہئے کہ اسلامی تحقیق وہ تحقیق ہے جس کا موضوع ہماری ان مقدس کتابوں کے مشتملات ہوں اور جس کا مقصد یہ ہو کہ ان مشتملات کو لوگوں کے لئے زیادہ قابل فہم بنایا جائے۔

اس تعریف کی روشنی میں ہم بآسانی معلوم کرسکتے ہیں کہ اسلامی تحقیق میں کونسی چیزیں شامل ہیں اور کونسی شامل نہیں۔ مثلاً اس میں وہ سب تحریں شامل ہوں گی جو مسلمان علماء (ا) ان مقدس کتابوں کے متعلق (ب) ان کتابوں کے متعلق جو ان مقدس کتابوں کے متعلق لکھی گئی ہوں' ماضی میں لکھ چکے ہیں یا آئندہ لکھیں گے۔ پھر چونکہ یہودی یا عیسائی مستشرقین نعمت ایمان سے بے نصیب ہونے کی وجہ سے ہماری مقدس کتابوں کو مقدس کتابوں کی حیثیت سے نہیں سمجھ سکتے' اور ان سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی کہ وہ ان کو مقدس کتابوں کے مقدس مشتملات کی حیثیت سے دوسروں کے اذہان کے قریب لانے کی کوشش کرسکتے ہیں' یا ایسا کرنے کی نیت ہی رکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اسلامی تحقیق سے وہ تمام تحریریں خارج سمجھی جائیں گی جو یہودی اور عیسائی مستشرقین

ہماری کتابوں کے متعلق یا ان کتابوں کے متعلق جو ہماری مقدس کتابوں کے متعلق لکھی گئی ہوں، ماضی میں لکھ چکے ہیں یا آئندہ لکھیں گے۔

میکانیکی اور اصلی اسلامی تحقیقات

اسلامی تحقیق کی دو قسمیں ہیں، یا تو یہ میکانکی ہوتی ہے یا اصلی۔ مثلاً مقدس کتابوں یا مقدس کتابوں پر لکھی ہوئی کتابوں میں سے کسی کتاب کی کوئی لغات یا کوئی اشاریہ تیار کرنا، یا اس کے مشتملات کا ترجمہ کرنا، یا ان کو نئی ترتیب دینا، یا ان کا اختصار لکھنا، یا کسی ایسے تاریخی قسم کے یا کسی اور نوعیت کے مواد کا، جو ان کے مضمون سے تعلق رکھتا ہو، اس غرض سے جمع کرنا کہ اس کے حوالے آسانی سے میسر آجائیں، میکانکی اسلامی تحقیق ہے۔ جبکہ مقدس کتابوں کے مضمون کی علمی تشریح یا تفسیر یا توسیع کرنا اصلی اسلامی تحقیق ہے۔ اصلی اسلامی تحقیق میکانکی اسلامی تحقیق سے بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق اسلام کے معنی یا اس کی روح سے ہوتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو در حقیقت اسلامی تحقیق سے ایسی ہی تحقیق مراد ہے۔

اس قسم کی اسلامی تحقیق کے لئے تعلیماتِ اسلام کی گہری بصیرت کی ضرورت ہے اور اسلام کی ایسی بصیرت صرف اس عالم دین کا حصّہ ہو سکتی ہے جو اسلام پر ایسا خالص اور پختہ ایمان رکھتا ہو کہ وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی شدید محبّت کی صورت اختیار کر لے، اور جو اسلام کے مذہبی اور اخلاقی ضبط اور نظم کو دل و جان سے قبول کر چکا ہو اور اس پر متواتر عمل پیرا ہو۔ پھر یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی عالم دین مقدس کتابوں کے بار بار کے مطالعہ سے ان کی روح میں نہ گھس جائے اور رسول اللہ ﷺ کی دلی اطاعت سے انسان اور کائنات کا وہی نظریہ پیدا نہ کر لے جو خدا نے آپؐ کی معرفت ہم تک پہنچایا ہے۔ چونکہ اس قسم کی اسلامی تحقیق صرف خدا اور رسول ﷺ اور اسلام کی شدید محبّت کے سرچشمہ سے ہی پھوٹ سکتی ہے لہٰذا وہ دوسروں میں بھی اسلام کی محبّت پیدا کرتی ہے۔ اس قسم کی اسلامی تحقیق کی مثال شاہ ولی اللہؒ، غزالیؒ، رومیؒ، محی الدین ابن العربیؒ، ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اقبالؒ ایسے حکمائے دین کی کتابیں ہیں۔

اصلی اسلامی تحقیق کے وظائف

چونکہ اصلی اسلامی تحقیق ہمیشہ اسلام کی عقلی اور علمی بنیادوں کے خلاف زمانہ کے عقلی اور علمی چیلنج کا جواب ہوتی ہے لہٰذا وہ دو اہم وظائف ادا کرتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ ان فلسفیانہ افکار کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ابطال کرتی ہے جو اس خاص زمانہ میں رواج پا کر مسلمان کے یقین و ایمان پر ایک مخالفانہ اثر پیدا کر رہے ہوں اور دوسرا یہ کہ وہ اسلام کی صداقت کو ثابت کرتی ہے اور تمام صحیح تصورات کو جو اس زمانہ میں دستیاب ہو سکتے ہوں، کام میں لا کر اسلامی افکار و اعتقادات کی مدافعت کرتی ہے۔ یہ دو وظائف ادا کرنا اس کے لئے اس طرح سے ممکن ہوتا ہے کہ اسلام کا محقق اسلام کی شدید محبّت اور اس کی صحیح تشریح اور تعبیر کرنے کی شدید خواہش کی وجہ سے ایک ایسا صحیح وجدان حاصل کر لیتا ہے اور اشیاء اور حقائق کے بارہ میں ایک ایسا صحیح نقطۂ نظر پیدا کر لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح افکار کو غلط افکار سے بآسانی ممیّز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

میکانکی اسلامی تحقیق کے وظائف

میکانکی اسلامی تحقیق کے لئے اسلام کی کسی بصیرت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور چونکہ یہ ضروری نہیں کہ وہ اسلام کی محبّت کا نتیجہ ہو لہٰذا وہ اسلام کی محبّت کو نہ منعکس کرتی ہے اور نہ اسے دوسروں میں پیدا کر سکتی ہے۔ میکانکی اسلامی تحقیق کی اہمیت فقط یہ ہے کہ وہ اسلام کے عام طالب علم کے لئے اسلام کی مقدس کتابوں کا مطالعہ آسان کرتی ہے اور ان مقدس کتابوں کے مضمون کو اصلی اسلامی تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے عالم دین کی آسان دسترس میں لا کر اس کی تحقیقی ضرورتوں کی خدمت اور اعانت کرتی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اصلی اسلامی تحقیق سے شغف رکھنے والا عالم دین ایک ایسا ماہر تعمیرات ہے جو ایک خوبصورت عمارت کا نقشہ تیار کر کے اسے تعمیر کی ساری منزلوں سے گزارتا ہے اور میکانکی اسلامی تحقیق پر کام کرنے والا پڑھا لکھا آدمی وہ جفاکش مزدور ہے جو تعمیر میں کام آنے والی اینٹوں کو ڈھو کر اس ماہر تعمیرات کے قریب لے آتا ہے۔

مستشرقی تحقیق

ہو سکتا ہے کہ بعض وقت اسلام کی مقدس کتابوں پر خالص میکانکی تحقیق کا باعث یہ

ہو کہ تحقیق کرنے والے کو اسلام سے محبت ہے' لیکن اس کے کامیاب تتبع کے لئے اسلام کی صداقت پر ایمان و یقین کی موجودگی ایک شرط کے طور پر قطعاً ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں یہودی اور عیسائی مستشرقین بھی اسے بڑی کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دور میں اس کے اصلی موجد مغرب کے یہودی اور عیسائی مستشرقین ہی ہیں۔ لیکن ایسی حالت میں اسے اسلامی تحقیق کا نام دینا ہرگز درست نہیں' کیوں کہ اس حالت میں یہ ایک وسیع تر تحقیق کا حصّہ ہے جسے مستشرقی تحقیق کہا جاتا ہے' اور جسے مغرب میں علماء کے ایسے گروہ نے ایجاد کیا تھا جو اپنے آپ کو ''مستشرقین'' کا نام دیتا تھا' کیونکہ وہ مشرقی ادب اور السنہ سے دلچسپی رکھتا تھا اور انہیں جاننا چاہتا تھا۔ مستشرقی تحقیق سراسر ایک میکانکی عمل ہوتا ہے اور اس کا دائرہ کار یہ ہوتا ہے کہ ماضی میں عربی' فارسی' سنسکرت' چینی' انڈونیشی اور ترکی ایسی مشرقی زبانوں میں تاریخ' مذہب' فلسفہ' لغت' سائنس اور ادب وغیرہ کے موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان کا ترجمہ یا حاشیہ یا اختصار یا اشاریہ تیار کیا جائے یا ان کی تشریح یا توسیع یا تنقید بہم پہنچائی جائے۔

شروع میں اس تحقیق کے اغراض و مقاصد کلیتاً مشنری یا تبلیغی تھے۔ اس کے بعد جب اروپائی طاقتیں مشرق میں اپنی نوآبادیاں بنانے لگیں تو اس کے اغراض و مقاصد تبلیغی ہونے کے علاوہ انتظامی اور سیاسی بھی ہو گئے۔ مستشرقی مطالعات سے اہل مغرب کا ایک مقصد بلاریب یہ ہے کہ وہ اپنے ذوقِ دریافت کو مطمئن کریں اور ایک ایسی تہذیب کے مخفی آثار کو بے نقاب کر کے اپنی تفریح کا سامان بہم پہنچائیں جو ان کے خیال میں ہمیشہ کے لئے مٹ چکی ہے اور اپنی جگہ پر اس تہذیب کو چھوڑ گئی ہے جو اس سے کئی درجہ بلند تر اور برتر ہے اور جس کے وہ خود علمبردار ہیں۔ ان کا مقصد ویسا ہی ہے جیسا کہ ٹیکسلا کی کھدائی سے ہمارا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے ماضی کے متعلق لوگوں کی معلومات کی خواہش کی تشفی کے لئے یا ان کی تفریح کا ایک شغل پیدا کرنے کے لئے ایک ایسی پرانی تہذیب کے دفن کئے ہوئے نشانات کو بے حجاب کرتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے مٹ چکی ہے۔ اب جبکہ مغرب کی تمام یونیورسٹیاں اپنے ہاں مستشرقی مطالعات کی کرسیاں قائم کر کے مستشرقی تحقیق کی سرپرستی کر رہی ہیں' مستشرقی تحقیق مغرب اور مشرق دونوں میں ایک

باعزت اور زر آفریں پیشہ بن گئی ہے۔ وقت کے گزرنے سے مستشرقین نے مستشرقی تحقیق کا ایک خاص فن ایجاد کر لیا ہے جو ہمارے السنۂ شرقیہ کے طالب مغرب کی یونیورسٹیوں میں ان سے سیکھتے ہیں۔ اب مشرق کی بہت سی یونیورسٹیوں میں بھی مشرقی علوم کی کرسیاں قائم ہو چکی ہیں اور یہ کرسیاں بالعموم ان لوگوں نے سنبھال رکھی ہیں جن کو مغربی مستشرقین نے مستشرقی تحقیق کے فن کی تربیت دی ہے۔ لیکن جہاں تک اسلامی تحقیق کا تعلق ہے یہ فن اس کے میکانکی حصّہ کے لئے کسی قدر سود مند ہو تو ہو ورنہ محض بے کار ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب

عربی اور فارسی کی کتابوں پر، جو بالعموم مسلمانوں نے لکھی ہیں، مستشرقین کی تحقیق کا سبب نہ اسلام کی محبّت ہے اور نہ مسلمان علماء اور فضلاء کی قدر دانی، بلکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان مستشرقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بالعموم ایک شدید قسم کا تعصب موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بھی وہ اپنے میکانکی کام سے ذرا ہٹ کر مسلمانوں کے معتقدات اور نظریات کی توجیہہ کرنے لگتے ہیں تو ان سے یہ توقع کرنا ہی عبث ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے متعلق کوئی موافقانہ رائے قائم کریں گے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تحقیق کا ایک حصّہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعتراضات سے معمور ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کے کام کے اس حصّہ کو نظر ثانی کے بعد ان کی غیر منصفانہ تنقید سے پاک کریں۔ لیکن جس حد تک مستشرقین کے کام کی اس قسم کی نظر ثانی مسلمانوں کی ایسی تصنیفات کے متعلق ہو گی جو اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر ہیں، ہم اسے میکانکی قسم کی اسلامی تحقیق بھی نہیں کہہ سکیں گے، بلکہ ہم اسے فقط ایسی مستشرقی تحقیق کا نام دے سکیں گے جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایسی کتابوں پر، جو اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر ہوں، مسلمانوں کی ساری تحقیق کو ہم مستشرقی تحقیق ہی کا نام دے سکتے ہیں۔

ایک غلط نام

بدقسمتی سے اس دوسری قسم کی تحقیق کو بھی غلط طور پر اسلامی تحقیق کا نام دیا جاتا

ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی عربی اور فارسی کتابوں پر تحقیق ہے۔ لیکن در حقیقت عہد قدیم کے مسلمانوں نے اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں ان کو اسلامی کتابیں کہنے کا جواز اتنا ہی ہے جتنا اس بات کا جواز کہ ہم ایک مسلمان کے ہاتھ کے بنے ہوئے میز کو اسلامی میز کہہ دیں۔ اگر یہ کتابیں اسلامی کتابیں ہیں اور ان پر تحقیق اسلامی تحقیق ہے تو پھر اس زمانہ کے مسلمانوں نے اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں، کیا وجہ ہے کہ ہم ان کو بھی اسلامی کتابیں نہ کہیں اور ان پر تحقیق کو بھی اسلامی تحقیق کا نام نہ دیں! لیکن نہ ہم ان کتابوں کو اسلامی کتابیں کہتے ہیں اور نہ ان پر تحقیق کو اسلامی تحقیق کا نام دیتے ہیں، تو پھر ہم کو اس بات پر اصرار کیوں ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی اس قسم کی کتابوں کو اسلامی کہہ کر پکاریں؟

آسمانی یا الہامی علم کے برخلاف ذہنی علم غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی، غیر واضح بھی ہو سکتا ہے اور واضح بھی، منظم بھی ہو سکتا ہے اور غیر منظم بھی۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ یہودی یا عیسائی یا اسلامی ہو۔ علم ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ وہ ایک ہی منبع سے صادر ہونے والا ایک ہی نور ہے جو کبھی ایک فرد پر اور کبھی دوسرے فرد پر، کبھی ایک قوم پر اور کبھی دوسری قوم پر اپنی خوشی سے چمکتا ہے۔ ذہنی علم مذہبوں اور قوموں سے بالا ہے۔ یہی وجہ ہے جو لوگ اس علم کی تحصیل یا تحقیق میں منہمک ہوتے ہیں وہ مذہب یا قومیت سے قطع نظر کر کے ایک دوسرے سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

مستشرقی تحقیق کا ایک خاصہ

چونکہ مستشرقی تحقیق فقط ایک میکانکی عمل ہوتا ہے اور اس کے پاس کوئی نئی چیز کسی کو دینے کے لئے نہیں ہوتی، اس کا ایک خاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت زور دیتی ہے، مثلاً ایک مستشرق اپنی پوری زندگی یہ ثابت کرنے پر صرف کر دے گا کہ ایک مصنف یا اس کی کسی کتاب کا صحیح نام یہ ہے اور وہ نہیں، یا فلاں شخص جس مقام پر پیدا ہوا تھا وہ فلاں گاؤں سے اتنے میل شمال کو تھا اور جنوب کو نہیں، یا جس تاریخ کو پیدا ہوا تھا وہ پانچ دن پہلے تھی اور پیچھے نہیں۔ اگرچہ وہ شخص خود ایک عالم کے طور پر کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو اور بالکل اس قابل ہو کہ فراموش کر دیا جائے، لیکن وہ اس لئے اہم سمجھا جاتا ہے

کہ کسی پرانی کتاب میں اس کا نام آگیا ہے۔

مسلمان مستشرق کا اصلی کام

اگر مستشرقی تحقیق کا مقصد یہ ہوتا کہ مشرق کے گزشتہ علماء اور فضلاء کے علمی کارناموں کو اجاگر کیا جائے (اور اس میں شک نہیں کہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مشرق علوم وفنون میں کرۂ ارض کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ حصہ تھا) اور اس کا تعلق دورِ حاضر کی علمی ترقیوں کے ساتھ واضح کیا جائے تو پھر بھی یہ اسلامی تحقیق کا کام نہ ہوتا۔ اگرچہ یہ عمومی طور پر علم کی بہت بڑی خدمت ہوتی' کیوں کہ اس سے نوع انسانی کی علمی جدوجہد کے ماضی کو اس کے حال کے ساتھ جوڑکر اس کے تسلسل کو آشکار کرنے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن اس وقت مستشرقی تحقیق کا کام نہ مغرب میں ان خطوط پر ہو رہا ہے اور نہ مشرق میں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے لئے نہ صرف عہد قدیم کی علمی دنیا سے بلکہ عصر حاضر کی علمی دنیا سے بھی پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ وہ اصلی کام ہے جو مستشرقین کو' بالخصوص مسلمان مستشرقین کو انجام دینا چاہئے۔

آخر جہاں تک ہم مسلمانوں کا تعلق ہے' ہمارا مقصد علم کی جستجو ہونا چاہئے نہ کہ مشرقی علم کی جستجو، علم نہ مشرقی ہو سکتا ہے نہ مغربی۔ کم از کم ہمارے بزرگوں نے علم کی کوئی ایسی تقسیم نہ کی تھی اور نوع انسانی کے جن بیش بہا علمی کارناموں کا سہرا آج ان کے سر باندھا جا رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے۔ اگر درخشندہ علمی ستاروں کا وہ طویل وعریض جم گھٹا جو مسلمان علماء اور فضلاء پر مشتمل تھا اور اب غائب ہو چکا ہے' یکایک پھر زندہ ہو جائے تو وہ سب بلا توقف اس بات کی کوشش کریں گے کہ مغرب کے سارے علوم کو سیکھ کر ان کے ماہر بن جائیں۔ اگر مستشرقی تحقیق سے مدعا فی الواقع علم کی جستجو ہے تو یہ بات اس مدعا سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے کہ ایسی تحقیق یا ایسے مطالعہ کے لئے لفظ مستشرقی کا اور مسلمان علماء کے لئے لفظ مستشرقین کا استعمال بالکل ترک کر دیا جائے۔ ان الفاظ کا استعمال ہم نے در حقیقت اہل مغرب کی کورانہ تقلید میں شروع کیا تھا جو مستقل طور پر مغرب میں رہتے ہیں اور اپنا ایک مستقل مشرق رکھتے ہیں۔ ہم مشرق میں بھی رہتے ہیں اور مغرب میں بھی تمام زبانیں ہماری ہیں۔ دنیا بھر میں مشکل سے کوئی ایسی زبان ہوگی جو

کم از کم چند مسلمانوں کی مادری زبان نہ ہو۔ تمام صحیح علم، جو مشرق یا مغرب میں آج تک پھیلا ہوا ہے، ہمارا ہے کیونکہ ہمارے خدا کی کائنات کا علم ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ ہم "مستشرقی تحقیق" کے نام کو "علومِ قدیمہ و وسطیٰ کی تحقیق" کے نام سے بدل دیں اور اس کے دائرہ کار کو وسعت دے کر اس میں ان کتابوں پر تحقیق کو بھی شامل کر لیں جو قدیم زمانہ میں نہ صرف عربی، فارسی، سنسکرت، چینی اور ترکی ایسی زبانوں میں لکھی گئی تھیں، جن کو مشرقی زبانیں کہا جاتا ہے، بلکہ لاطینی اور یونانی ایسی قدیم اروپائی زبانوں میں بھی لکھی ہوئی موجود ہیں۔

مستشرقی تحقیق اسلامی تحقیق نہیں ہے

بہرحال مستشرقی تحقیق اور اسلامی تحقیق میں کوئی قدر مشترک نہیں اور مستشرقی تحقیق کو اسلامی تحقیق سے قطعی طور پر الگ رہنا چاہئے۔ جیسا کہ مغرب میں دستور ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اس کو اپنی یونیورسٹیوں کے السنہ شرقیہ کے شعبوں کے اندر محدود کر دیں۔ اسلامی تحقیق کا کوئی ادارہ اپنے نام اور کام کے ساتھ ہم آہنگ رہتے ہوئے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھ سکتا۔

میکانکی اسلامی تحقیق اور اصلی اسلامی تحقیق بعض اوقات ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہو جاتی ہیں

بعض وقت اصلی اسلامی تحقیق اور میکانکی اسلامی تحقیق ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے اصلی تحقیق کی کسی پیداوار کے اندر مقدس کتابوں کے مشتملات کی ترتیب نو یا ترکیب جدید کی صورت میں میکانکی تحقیق کے عناصر شامل ہو جاتے ہیں یا میکانکی تحقیق پر ان مشتملات کی تشریح یا تفسیر کا بھی ایک رنگ چڑھ جاتا ہے۔ تاہم اسلامی تحقیق کی کسی پیداوار کی قدر و قیمت کا انحصار اس بات پر ہو گا کہ اس میں اصلی اسلامی تحقیق کا عنصر کس قدر موجود ہے۔ اگر اس میں درستی اور علم کے اعتبار سے بلند معیار رکھنے والی اصلی اسلامی تحقیق کا عنصر زیادہ ہو گا تو اس کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہو گی۔ یہی سبب ہے کہ اقبالؒ، ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہؒ، غزالیؒ، رومیؒ اور محی الدین ابن

عربیؒ کی اسلامی تحقیق دوسرے سینکڑوں علماء متقدمین و متاخرین کی تحقیق سے بدرجہا زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہے۔ ان میں سے ہر عالم دین نے اپنے زمانہ میں اسلام کی وہ جدید علمی اور عقلی تشریح بہم پہنچائی ہے جس کی اس زمانہ میں لوگوں کو ضرورت تھی۔ اقبال نے اسلام کی جو تشریح کی ہے اس کی شدید ضرورت کا زمانہ ابھی موجود ہے۔

وحی اور عقل

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کی ضرورت ہی کیا ہے کہ عقلی اور علمی نقطۂ نظر سے اسلام کی کوئی تشریح کی جائے اور بار بار کی جائے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں کہ قرآن اور حدیث دونوں مل کر انسانی افراد کے اعتقاد و عمل کی راہ نمائی کرنے کے لئے پوری طرح کافی ہیں۔ کیا قرآن اور حدیث نے پہلے ہی ضروری حد تک اپنے مطالب کی وضاحت نہیں کر دی؟ کیا ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خدا کی وحی کے فرامین اور خدا کے رسول کے ارشادات میں ایک پچر اپنی طرف سے بھی لگائیں اور ان میں اپنی انسانی سمجھ بوجھ اور انسانی عقل و فراست کی بنا پر بھی کچھ باتوں کا اضافہ کریں تاکہ وہ زیادہ قابل فہم اور زیادہ مفید بن جائیں' بالخصوص اس حقیقت کے پیش نظر کہ ہم کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ انسان کی ہدایت کے ایک ذریعہ کے طور پر انسانی عقل خدا کی وحی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ خدا کی وحی کے مقابلہ میں عقل انسانی کا ہرگز کوئی مقام نہیں کہ وہ انسان کو یہ بتا سکے کہ انسان اور کائنات کی حقیقت کیا ہے اور اس حقیقت کی روشنی میں انسانی فرد اور جماعت کو اپنی عملی زندگی کی تشکیل کس طرح سے کرنی چاہئے۔ اس کے باوجود خدا کی وحی اور انسانی عقل کے درمیان ایک ایسا قدرتی رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا اور جس کی بنا پر ذیل کے حقائق بالکل درست اور ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا ہیں۔

اول : یہ کہ ہم خدا کی وحی کو اس وقت تک قبول نہیں کر سکتے جب تک کہ ہماری عقل اس وجدان یا یقین کی طرف راہ نمائی نہ کرے کہ وہ درحقیقت خدا کی وحی ہے اور

حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کو عقل سے کام لینے کی بار بار ہدایت کی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم ہر مدعی نبوت کو نبی نہیں مانتے اور جھوٹے اور سچے نبی میں اپنی عقل کو کام میں لاکر فرق کرتے ہیں؟

دوم : یہ کہ خدا کی وحی ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے جو آخر کار ضبط تحریر میں آجاتے ہیں اور ایک خارجی وجود رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ کوئی پڑھنے والا یا سننے والا ان الفاظ پر ایمان لائے اور ان کے مطابق عمل کرے' یہ ضروری ہے کہ وہ اس کے ذہن کے اندر کسی مطلب یا معنی یا مدعا میں تبدیل ہوں۔ جب تک کہ وہ ایک خارجی حقیقت سے ایک داخلی احساس میں تبدیل کرنے والے اس عمل میں سے نہیں گزرتے (اور یہ یاد رہے کہ تبدیلی کا یہ عمل سرا سر ذہنی اور انسانی ہے' خدائی یا آسمانی نہیں) دوسرے لفظوں میں جب تک کہ وہ ایک علمی اور عقلی توجیہہ کا لباس نہیں پہن لیتے اس وقت تک نہ تو وہ ایمان پیدا کر سکتے ہیں نہ عمل۔ یہی سبب ہے کہ ایک ہی وحی کا اتباع کرنے والے لوگوں کے اعتقادات اور اعمال مختلف ہیں۔ اور اسلام' جو ایک ہی ہے' مذہبی فرقوں اور مذہبی تحریکوں میں اس قدر بٹا ہوا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم قرآن حکیم کے مطالب کو سمجھتے اور سمجھاتے اور سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ ہمارے اس فعل کا مطلب یہ ہے کہ ہم قرآن کے الفاظ کو اس علمی اور عقلی توجیہہ کا لباس پہنانا چاہتے ہیں جو ہمارے خیال کے مطابق ان کی اپنی صحیح توجیہہ ہے۔

سوم : یہ کہ خدا کی وحی ہمیں انسان اور کائنات کی حقیقت کے متعلق ایک صحیح نظریہ عطا فرماتی ہے اور فلسفہ کی صورت میں انسان کی عقل بھی انسان اور کائنات کا صحیح نظریہ بہم پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ عقل انسانی کا یہ وظیفہ جو اس نے خود بخود اپنے لئے تجویز کر لیا ہے' بیک وقت خدا کی وحی کا وظیفہ بھی ہے۔ لہٰذا عقل انسانی خدا کی وحی کے بیانات قبول کر لینے کے بعد بھی ان کو زیر غور لانے کی طرف مائل رہتی ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ جن سوالات کا قطعی جواب خدا کی وحی پہلے ہی دے چکی ہے یہ ان سوالات کا کوئی ایسا جواب بھی ڈھونڈ نکالے جو اس کے اپنے لئے بھی مکمل طور پر تسلی بخش ہو۔ مثلاً ایک سوال ہے کیا خدا فی الواقع موجود ہے؟ ایک آدمی اس سوال کے اس جواب پر جو خدا کی

وحی نے دیا ہے' مکمل یقین اور ایمان رکھا سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک انسان کی حیثیت سے یعنی ایک دارائے عقل وفہم وجود کی حیثیت سے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سوال کا وہ جواب بھی اپنے پاس موجود رکھے جو اس کی عقل اس کے لئے مہیا کرتی ہے۔ لیکن جب وہ ایسا کرے گا تو وہ مجبور ہو گا کہ دونوں کے جوابات کے اندر مطابقت پیدا کرے اور اسے قائم رکھے۔ ورنہ وہ دونوں سے پوری طرح مطمئن نہ ہو سکے گا۔

علمی ترقی کے ہر نئے دور میں اسلام کی نئی عقلی توجیہہ کی ضرورت

نوع انسانی کا ذہنی علم ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے اور نئے حکیمانہ افکار کے اس مجموعہ کے اندر جو کسی دور میں رونما ہوتا' ہے حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر دور میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اصلی اسلامی تحقیق کی طرف رجوع کر کے حق کو باطل سے الگ کیا جائے اور غلط اور مخالف اسلام حکیمانہ تصورات کی تردید کی جائے اور صحیح اور موافق اسلام حکیمانہ تصورات کو کام میں لا کر اسلام کی تائید مزید اور حمایت اور مدافعت کی جائے۔ ہر دور میں اصلی اسلامی تحقیق کے ماہرین کے لئے یہ اہم کام موجود ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے نئے علمی افکار کے دانہ کو کاہ سے الگ کریں' دانہ کو کام میں لائیں اور کاہ کو پھینک دیں کہ ہوائیں اس کو اڑا کر لے جائیں۔

دورِ حاضر میں اسلام کو حکیمانہ افکار کا چیلنج

تاہم علمی ترقی کے کسی دور میں بھی اسلام کو حکیمانہ افکار کی طرف سے ایسا زوردار اور خطرناک چیلنج کبھی نہیں دیا گیا جیسا کہ اب دورِ حاضر کے حکیمانہ افکار نے دیا ہے۔ اس وقت فلسفی' ماہر تاریخ' ماہر اقتصادیات' ماہر معاشیات اور ماہر نفسیات سب مل کر اسلام کی جڑوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ میکانکی ارتقاء' تحلیل نفسی' حکمیاتی سوشلزم' تاریخی مادیت' منطقی اثباتیت' کرداریت اور موجودیت کے نظریات' جن کی مقبولیت اس زمانہ میں ہر روز بڑھتی جا رہی ہے اور جو نوع انسانی کے اعمال وافعال کو نہایت تیزی سے متاثر کر رہے ہیں' ہمارے مذہب کی بنیادوں کو غلط قرار دے رہے ہیں۔ اگر ہم ان نظریات کے علمی چیلنج کا مؤثر جواب نہ دیں اور ان کی یقین افروز تردید نہ کریں تو ہم مسلمان کی

حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور ان نظریات کا جواب دیتے ہوئے ہمیں اس بات کو بھی یاد رکھنا ہو گا کہ اگر ہمارا جواب دور حاضر کے علمی معیاروں پر پورا نہ اتر سکے اور اپنے استدلال کے حقائق اور تکنیک اور طریقہ سے دنیا بھر میں چوٹی کے علماء اور حکماء کو مطمئن نہ کر سکے تو وہ ہرگز کوئی جواب نہ ہو گا۔ اس قسم کا جواب علماء کرام نے ابھی تک پیدا نہیں کیا۔ کہاں ہیں وہ بزرگانِ دین جن کو خدا نے مسلمانوں کی قیادت کے بلند مقام پر فائز کیا ہے اور جن کے نورِ ایمان اور زورِ قلم نے قرآن کی تفسیروں اور اسلامی کتابوں کے قابل قدر ذخیروں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ وہ کیوں اس خطرہ کو محسوس نہیں کرتے؟ افسوس کہ وہی علماء دین جو کل تک اسلام اور کفر کی جنگ میں ہر محاذ پر اسلام کی مدافعت کے لئے پیش پیش رہتے تھے آج سو گئے ہیں اور اسلام کو جو نیا خطرہ درپیش ہے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو اس کے مقابلے کے لئے تیار کرنے کی کوشش کرنا تو درکنار اس کا ذکر تک نہیں کرتے۔ گویا اس کی موجودگی سے ہی ناآشنا ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلم مفکرین بھی' جو ہمارے مخالف ہیں' اس خطرہ سے ہماری غفلت اور اس کے مقابلہ میں ہماری عافیت کوشی اور سہل انگاری پر ہمیں طعنہ دے رہے ہیں۔ پروفیسر ڈبلیو ڈی سمتھ اپنی کتاب "ماڈرن اسلام ان انڈیا" (Modern Islam in India) میں لکھتا ہے :

> "جہاں دس یا بیس سال پہلے بازاروں کے موڑوں پر مذہبی مناظرے ہوا کرتے تھے اور تعلیم یافتہ مسلمان افکار جدید کے متعلق کتابیں پڑھ پڑھ اپنا سر کھپاتے تھے' آج مسلمان نوجوان ان علمی مشکلات سے بے خبر اور بے پرواہ ہے جو زندگی کے صحیح راستہ کی حیثیت سے مذہب کو پیش آتی ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح سے آزاد خیال مسلمانوں نے ان اعتراضات کا قریباً مکمل جواب دیا جو عیسائیوں نے اسلام پر وارد کئے تھے۔ آج تجدد پسند مسلمان اس جواب کو کافی سمجھتا ہے اور کوئی مسلمان ایسا پیدا نہیں ہوتا جو جواب دینا تو درکنار ان اعتراضات کا فقط ذکر ہی کرے جو اس زمانہ میں فلسفی' مؤرخ' ماہر نفسیات اور ماہر اجتماعیات نے اسلام پر اور سارے مذہب پر وارد کر رکھے ہیں۔ جس طرح انیسویں صدی کے کٹر مسلمان' جو عیسائیوں اور آزاد خیال مغربیوں کے

اعتراضات کا جواب دینے سے انکار کرتے تھے اور سرسید احمد اور امیر علی کو ان کا جواب دینے کی وجہ سے برا سمجھتے تھے' معاشرتی قدامت پسندی کا سہارا تھے اسی طرح سے وہ مسلمان بھی جو ان جدید اعتراضات کا جواب دینے سے قطع نظر کرتے ہیں ان جماعتوں کی ہی اعانت کر سکتے ہیں جو معاشرتی اعتبار سے قدامت پسند ہیں"۔

مسلمانوں سے عصر جدید کے انسان کا مطالبہ

اسلام نے دور جدید کے انسان کے ذہن میں بہت سے سوالات پیدا کر دیئے ہیں اور وہ مسلمانوں سے مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ ان کا ایک ایسا جواب مہیا کریں جو مدلل اور حکیمانہ ہو اور اس قابل ہو کہ ایک ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی کو قائل کر سکے۔ ان میں سے بعض سوالات یہ ہیں :

۱۔ کیا یہ بات درست نہیں کہ حقیقت کائنات مادی ہے اور روح مادہ کی ایک خاصیت ہے جو اس وقت رونما ہوتی ہے جب مادہ اپنی ترقی اور ترکیب کی ایک خاص حالت پر پہنچ جاتا ہے؟

۲۔ کیا یہ بات درست نہیں کہ مذہب فقط معاشی حالات کی پیداوار ہے اور خود اپنی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا؟

۳۔ کیا انسان کی زندگی کا معاشی پہلو عمل تاریخ کا محرک نہیں اور کیا مذہب اس عمل تاریخ کی ایک عارضی حالت اور ضمنی یا اتفاقی پیداوار نہیں؟

۴۔ کیا مذہب دبی ہوئی جبلت جنس یا رُکی ہوئی حب تفوق یا اٹکی ہوئی غلبہ و قوت کی خواہش کا غیر فطری اور بے محل اظہار نہیں؟

۵۔ کیا مذہب ایک ظالم سوسائٹی کا مصنوعی دباؤ نہیں جو اپنی سلامتی کی خاطر فرد کو مجبور کرتی ہے کہ وہ کچھ غیر فطری پابندیوں اور رکاوٹوں کو' جنہیں وہ مذہبی اور اخلاقی اصولوں کا نام دیتی ہے' اپنے آپ پر عائد کرے؟

۶۔ کیا یہ درست نہیں کہ عمدگی اخلاق ایک نسبتی اصطلاح ہے جس کے معنی مختلف قوموں کے لئے اور مختلف حالات کے اندر مختلف ہوتے ہیں؟

۷۔ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کسی انسان پر وحی نازل کرے یا کوئی انسان سچ مچ نبی بن جائے؟

۸۔ کیا نبوت (اگر وہ در حقیقت ممکن ہے) ایک ایسا عارضی اہمیت کا واقعہ نہیں جو نوعِ انسانی کی تاقیامت ترقی کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھ سکتا؟

۹۔ کیا انسان کی عقل اسے اپنا نیک و بد سمجھانے کے لئے کافی نہیں کہ کسی بیرونی راہنمائی کی ضرورت ہو؟ جب انسان کو عقل دی گئی ہے تو اس نبوت کی خاص ضرورت کیا ہے؟

۱۰۔ اگر نبوت کوئی ضروری چیز ہے تو یہ ختم کیوں ہو جاتی ہے اور تاقیامت انسان کی راہنمائی کے لئے نئے نئے انبیاء کیوں آتے نہیں رہتے؟ وغیرہ

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان سوالات کا ایسا جواب تلاش کریں جو نہ صرف اسلام کی بنیادی تعلیمات کے مطابق ہو بلکہ پوری طرح سے مدلل اور معقول اور حکمیاتی (Scientific) ہو۔ اور کم از کم ان تمام جوابات سے زیادہ معقول اور قابل قبول ہو جو دوسرے مذاہب یا نظریات کے ماننے والے ان ہی سوالات کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب امت مسلمہ کے ضمیر نے غیر واضح طور پر ہی سہی' لیکن اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ اگر ہم اس قسم کا جواب' جو در حقیقت اسلام کی مکمل اور منظم حکمیاتی تشریح سے کم نہیں ہو گا' فی الفور مہیا نہ کریں تو ایک نظریاتی جماعت کی حیثیت سے ہماری زندگی خطرہ میں ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس وقت قوم کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلامی تحقیق کی ضرورت کا ایک عام احساس پیدا ہو گیا ہے۔

موجودہ دور کی ایک خصوصیت

اس زمانہ میں انسان کے نظریات بدنی اور جبلتی ضروریات کی سطح سے بالاتر ہو کر علمی اور اخلاقی سطح پر آ گئے ہیں۔ لہٰذا نظریات کی حیثیت سے ان کی موجودگی پوری طرح سے نمایاں ہو گئی ہے۔ یہ زمانہ علمی نظریات کا زمانہ ہے۔ اس دور میں اسلام کے سوائے باقی تمام نظریات کے قائلین اپنے اپنے نظریات کی علمی اور عقلی توجیہہ اور مدافعت بہم

پہنچانے میں مصروف ہیں۔ کیونکہ وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ان کی سیاسی زندگی بلکہ ہر قسم کی زندگی خطرہ میں رہے گی۔ نظریہ' جو دراصل انسان اور کائنات کی حقیقت کے متعلق ایک مشاہدہ یا وجدان یا ایمان کا نام ہے' تنہا وہ قوت ہے جو فرد اور جماعت اور ریاست کے تمام اعمال و افعال پر حکمران ہے۔ اگر یہ ثابت کیا جا سکے کہ وہ نظریہ حیات جس پر کسی ریاست کی بنیاد رکھی گئی ہے' علمی طور پر صحیح اور عقلی طور پر اعتراضات سے بالا ہے تو اس سے دو اہم نتائج برآمد ہوں گے۔ ایک یہ کہ اس سے ریاست کے ساتھ فرد کی کشش یا محبّت بڑھ جائے گی اور ریاست کا اندرونی اتحاد ترقی پائے گا اور اس کی استعداد عمل میں اضافہ ہو گا' اور اس کی قوت فروغ پا کر انتہا تک پہنچ جائے گی۔ اس کا دوسرا اہم نتیجہ یہ ہو گا کہ ریاست کی حدود کے باہر ریاست کے حامیوں اور مددگاروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جائے گی اور اس طرح سے اس کے سیاسی اثر و نفوذ کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا جائے گا۔ جس قدر کوئی نظریہ حیات زیادہ معقول و مدلل ہو گا اور جس قدر زیادہ دل کش اور دلنشیں ہو گا اسی قدر زیادہ امکان اس بات کا ہو گا کہ وہ ترقی پا کر زمین کے کناروں تک پھیل جائے اور وہاں ہمیشہ کے لئے موجود رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نظریہ کے ماننے والے اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی ایک بلند پایہ علمی اور عقلی تشریح پیدا کریں۔ اشتراکیت پہلے ہی ایک سائنسی نظریہ حیات ہونے کی مدعی ہے۔ ہٹلر کا نظریہ نیشنل سوشلزم اس کی کتاب "میری جدوجہد" میں ایک فلسفہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ یہ ہیگل کے اس نظریہ کی ایک تشکیل جدید تھی کہ ریاست ایک خدا ہے جو غیر محدود حقوق اور اختیارات رکھتی ہے اور اطاعت مطلقہ کی حق دار ہے۔ مسولینی کا نظریہ فسطائیت بھی اطالوی فلسفی کروچے کے فلسفیانہ نظام سے عقلی تائید اور توثیق حاصل کرتا تھا۔ امریکہ کے لوگ اب جمہوریت کو محض ایک طرز حکومت نہیں سمجھتے بلکہ ایک فلسفہ زندگی سمجھتے ہیں۔ اور بعض امریکی مصنفین نے اسے ایک فلسفہ زندگی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ بھارت کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی ریاست گاندھی کے فلسفہ زندگی پر مبنی ہے۔

ایک نظریہ حیات غلط ہو یا صحیح لیکن وہ لوگ جو اس سے محبّت رکھتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی نظریہ حیات دنیا میں حق ہے یا حق ثابت کیا جا سکتا ہے تو یہی ہے۔ جب وہ اس

کی عقلی اور علمی توجیہہ یا مدافعت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کا مقصد در حقیقت یہ ہوتا ہے کہ وہ اس نظام حکمت کو آشکار کریں جو عقلی لحاظ سے دنیا کے تمام فلسفوں میں یکتا اور یگانہ ہے' جو صرف ان کے نظریہ حیات کے اندر مخفی ہے اور دنیا بھر میں اور کہیں پایا نہیں جاتا۔ ہر نظریہ حیات کا ماننے والا اپنے نظریہ حیات کے متعلق ایسا ہی خیال رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ حق صرف ایک ہے' یہ ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی فلسفہ ایسا ہو سکتا ہے جو در حقیقت صحیح اور معقول ہو' دو یا دو سے زیادہ فلسفے ایسے نہیں ہو سکتے۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ اپنی اپنی سائنسی توجیہہ اور تشریح کرنے کے لئے نظریات کی دوڑ میں صرف ایک نظریہ حیات کامیاب ہو گا اور وہی نظریہ حیات زندہ رہے گا اور پوری دنیا پر چھا جائے گا اور باقی نظریات مٹ جائیں گے اور زندہ رہنے والے اس نظریہ حیات کے متعلق یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جائے گی کہ یہی انسان اور کائنات کا وہ آخری صحیح فلسفہ ہے جو عقل انسانی کی صبح کے طلوع سے لے کر آج تک تمام فلسفیوں اور سائنس دانوں کا سہانا خواب اور ان کی جستجو کا گوہر مقصود بنا رہا ہے۔ یہ باور کرنے کے لئے ہر دلیل موجود ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا نظریہ حیات ہے جو اس قابل ہے کہ انسان اور کائنات کی ایک عقلی' علمی اور سائنسی تشریح کی صورت اختیار کر سکے' لیکن اب تک ہم نے کون سا کام کیا ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ ہمارا یہ عقیدہ فی الحقیقت درست ہے۔ اس معاملہ میں ہماری غفلت کو اس حقیقت نے اور زیادہ سنگین اور خطرناک بنا دیا ہے کہ دوسرے نظریات کو ماننے والے لوگ اس وقت بھی دنیا کے اوپر یہ ثابت کرنے کے لئے بہت سا کام کر چکے ہیں کہ صرف ان کے نظریات ہی معقول اور مدلل ہیں۔ اور دنیا کا تعلیم یافتہ طبقہ یعنی نوع انسانی کا وہ حصہ جو در حقیقت کوئی اہمیت رکھتا ہے اور جس میں تعلیم یافتہ مسلمان بھی شامل ہیں ہر روز زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان کے ہمرنگ زمیں دام میں گرفتار ہوتا جا رہا ہے۔

(جاری ہے)

☆☆☆